**Open Access**

***Al-Irfan***(*Research Journal of Islamic Studies*)

***Published by:*** *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
***Minhaj University Lahore***

***ISSN:*** *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*

*Volume 08, Issue 15, January-June2023,*

***Email:*** *alirfan@mul.edu.pk*

العرفان

# حبس ملزم کی شرعی و قانونی حیثیت

# Incarceration of accused in the context of Shariah and Law

***Dr. Hafiz Abdul Aziz Mujahid***
Reasearch Scholar, University of Lahore
syed03334700213@gmail.com

***Dr. Muddassar Iqbal***
Senior Sunject Specialist, High School Chungi Amar Sadhu, Lahore

## ABSTRACT

Imposition of punishment on the basis of accusation is never justified in any Divine or Man made Law. The decision based on a mere claim without any evidence is prohibited in Islamic Shari'ah.So when a person is charged with a crime ,it is imperative to investigate him properly.Until the investigation is done, neither the accused can be declared guilty nor the claim can be considered true.

A strong justice system is necessary for the stability of the State. Pakistan is an Islamic republic state. So it is required to establish an Islamic justice system in the country. Under existing laws, the police have absolute power to arrest any respectable citizen on mere suspicion. It is a common practice in Pakistan that the accused is imprisoned on the bases of a trivial accusation. Whereas in Shari'ah, it is absolutely impermissible to detain a dignitary on the base of a mere allegation.

This article presents an analytical study of the Incarceration of accused in the prevailing laws that seems to be in conflict with Sharia and it provides a study on the legal status of the detention of an accused in the context of Shariah.

## Keywords:

Imposition of punishment,Islamic Shari'ah,Islamic justice system, Islamic republic state,Incarceration of accused.

https://doi.org/10.58932/MULB0009

# تعارف

حبس کا تصور انسان کے ذہن میں سزا کو ظاہر کرتا ہے۔ اگرچہ کسی شخص کو قید میں رکھنے کے مقاصد مختلف ہو سکتے ہیں ۔جب کسی شخص پر جرم ثابت ہونے کے بعد سزائے قید نافذ کی جائے تو عمومی اصطلاح میں "حبس عقوبت" کہا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کسی شخص کو ماورائے قانون بھی قید کیا جاتا ہے جس کو اصطلاحاً "حبس بے جا" کہتے ہیں۔ کوئی بھی اتھارٹی یا مقتدر جب قانونی طریقہ کار سے ہٹ کر کسی کو قید میں رکھتا ہے تو وہ رائج قانون کے تحت ایک جرم ہے۔

حبس کی ایک صورت ملزم کے حوالے سے بھی بیان کی جاتی ہے۔جب کسی شخص پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے تو تحقیق وتفتیش کی غرض سے ملزم کو قید میں رکھنا "حبس ملزم" کہلاتا ہے اور قانون کی زبان میں اسے UTP(Under Trial Prisoner ) کہا جاتا ہے۔ حبس ملزم بھی کسی جرم کی سزا کے طور پر نافذ نہیں ہوتی بل کہ الزام کے استبراء واستظہار کی بنا پر عائد کی جاتی ہے۔ پاکستان کے رائج قوانین میں حبس ملزم کی پریکٹس عام ہے۔ پولیس کسی بھی شخص کو معمولی شک کی بنا پر قید میں رکھ سکتی ہے جس کی ابتدائی مدت کم از کم 24 گھنٹے بیان کی گئی ہے۔ راہ چلتے مسافر، اجنبی یا کسی بھی ریاستی باشندے کا کوئی عمل جو پولیس کو کسی شک میں مبتلا کر دے تو اس بنا پر متعلقہ شخص کو پولیس حراست میں لے کر بغرض تحقیق وتفتیش بغیر کسی عدالت کی اجازت کے چوبیس گھنٹے تک قید میں رکھ سکتی ہے۔ رائج قوانین میں پولیس کو یہ مکمل اختیار حاصل ہے۔

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک ہے جس کے آئین میں شرعی قوانین کو فوقیت دی گئی ہے۔ اسلام میں کسی شخص کو بغیر جرم کے سزا دینے کا تصور بالکل مفقود ہے۔ لہذا شریعت اسلامیہ میں محض الزام کی بنا پر کسی شخص کو قید کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جب کسی شخص کو محض الزام کی بنیاد پر طویل مدت تک پابند سلاسل رکھا جاتا ہے تو بظاہر شرعی اعتبار سے یہ عمل ناانصافی کے زمرے میں آتا ہے۔ پھر ملزم کو طویل مدت تک قید کرنے سے جہاں وہ ذہنی وجسمانی آزمائش سے گزر رہا ہوتا وہاں اس کے اہل خانہ بھی شدید مالی وذہنی آزمائش مبتلا ہوتے ہیں اور بچوں کا مستقبل بھی بگڑ جاتا ہے۔ گویا کہ معاشرے میں یہ بچے نئے مجرم کے طور پر پروان چڑھ رہے ہوتے ہیں جو معاشرتی اور ریاستی استحکام کے لیے مستقل خطرہ ہیں۔ اس مناسبت سے پاکستان میں رائج حبس ملزم کی قانونی حیثیت کو شرعی تناظر میں دیکھنا ضروری ہے تاکہ وطن عزیز میں امن وامان کی فضا قائم ہو اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو سکے۔

# حبس ملزم کی شرعی و قانونی حیثیت

قوانین کا بنیادی مقصد حقوق کا تحفظ ہے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ کسی بھی الہامی یا وضعی قانون میں جرم کے بغیر سزا کا تصور نہیں۔ قانونِ شرعی کا بنیادی تصور "الأصل براءة الذمة(1)" ہے۔ جب تک کوئی شخص کسی اہلیت کا حامل نہیں ہو جاتا اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی۔ حکم کی پاسداری محض اسی شخص پر لازم ہے جس کو شرعی و قانونی لحاظ سے اس کا اہل قرار دیا جائے۔ جب کوئی شخص اہل قرار دیا جاتا ہے تو ذمہ داری کا پورا کرنا اور حکم کی پاسداری کرنا اس پر لازم ہے اور ایسا نہ کرنے سے اس کا یہ فعل جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ انسان کی فطرت میں اچھائی برائی، نیکی بدی اور خیر و شر ودیعت کیے گئے ہیں ۔فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (2) کا فرمان انسان کے لیے اختیارِ انتخاب ہے جس کی بنا پر اعمال کی جزا و سزا کا ابدی تصور قرآن مجید نے دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ(3)

"یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور نعمتوں میں ہوں گے اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے"

آیت مبارکہ میں جزا کے تصور سے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کی طرف رغبت دلائی گئی ہے جب کہ حکم عدولی اور نافرمانی پر سزا کی وعید بیان کی گئی ہے۔ جزا و سزا کا اطلاق دنیا اور آخرت دونوں پر محیط ہے۔ وہ اعمال جن کا تعلق اللہ اور اس کے بندے کے مابین ہے اللہ تعالی چاہیے تو اس کے لیے سزا کا اطلاق اسی دنیا میں کردے جیسے مکافات عمل کی صورت میں اور چاہے تو اسے آخرت پر موقوف کردے۔ مگر وہ احکام جن کا تعلق دنیاوی یا معاشرتی امور سے ہے ان کی خلاف ورزی پر سزا کا اطلاق دنیاوی نظام عدل پر ہے۔ حقدار کو اس کا حق دینا اور غاصب سے چھینے ہوئے حق کو مظلوم تک پہنچانا ایک حاکم کی شرعی و قانونی ذمہ داری ہے۔ معاشرے میں نظام عدل ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب یہ کمزور ہوتا ہے تو معاشرہ بدامنی اور جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لہذا ریاست کا فوجداری نظام عدل و انصاف پر مبنی ہونا ریاستی استحکام کی ضمانت ہے۔

---

(1) الزحيلي ،محمد مصطفى، القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة،الناشر: دار الفكر – دمشق،الطبعة: الأولى، 1427 هـ - 2006 م ، الأصل براءة الذمة، القاعدة: [6 ] :1 / 142

(2) الكهف: 18/ 29

(3) الانفطار:82/ 13,14

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جس کے آئین کے آرٹیکل دو(2) میں حاکمیت کا تصور دیا گیا ہے۔جب حاکمیت اللہ رب العزت کی بیان کی جاتی ہے تو ریاستی قوانین بھی لازمی طور پر اسی کی منشا کے مطابق تشکیل دینا آئینی تقاضا ہے۔شریعت اسلامیہ میں بغیر جرم کے سزا کا تصور مفقود ہے۔ملزم جس پر ابھی کوئی جرم ثابت نہیں ہوا کیا محض الزام کی بنیاد پر اس کا حق آزادی سلب کرنا قرین انصاف ہے ؟۔اسی مناسبت سے پاکستان میں رائج حبس ملزم کی قانونی حیثیت کو شرعی تناظر میں بیان کرنا مقصود تحریر ہے۔

## لفظ حبس کی لغوی تشریح

لغات میں لفظ حبس کے معانی روکے رکھنا، قید کرنا، مقید کرنا کے بیان ہوئے ہیں ، جیسے کہا جاتا ہے ، حبسا احتیاطیاً، حوالات میں رکھنا، بند کر دینا، پیش بندی کے لیے قید کرنا[1]۔الحَبْسُ : اس لفظ کے حروفِ اصلی "ح ب س" ہیں، یہ باب ضرب یضرب سے ہے، حَبَسَه يَحْبِسُه حَبْساً، فَهُوَ مَحْبُوس وحَبِيسٌ، واحْتَبَسَه وحَبَّسَه۔ (حَبسه)حبسا مَنعه وأمسكه وسجنه یعنی کسی کو منع کرنا،روکنا یا جیل میں قید کرنا۔ وَيُقَال حبس نَفسه على كَذَا(اور کہا جاتا ہے اس نے اپنے آپ کو کسی پر روکا) فَهُوَ مَحْبُوس وحبيس[2]۔تحبَّس على / تحبَّسَ في يَتحبَّس، تَحَبُّسًا، فهو مُتَحبِّس، والمفعول مُتَحبَّس عليه کے معانی کسی شخص کو کسی کام سے روکنے کے ہیں[3]۔ جیسے کہا جاتا ہے تحبَّس على الأمر (کسی بھی کام سے روکنا) اسی طرح "تحبَّستْ على تربية أولادها والعناية بمنزلها" (اولاد کی شفقت اور تربیت کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو اپنے مقام پر روکا)۔لفظ حبس اپنی عمومیت کے اعتبار سے

---

[1] القاموس الوحید،از وحید الزمان قاسمی،القاموس الجدید، عربی اردو لغت،ادارہ اسلامیات،لاہور،ص:154،

[2] ابن منظور ، محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الأنصاري الرويفعى الإفريقى (المتوفى: 711هـ)، لسان العرب ،الناشر: دار صادر – بيروت،الطبعة: الثالثة - 1414 هـ،ص :6 / 44

[3] أحمد مختار عبد الحميد عمر :المتوفى: 1424هـ، معجم اللغة العربية المعاصرة،ناشر: عالم الكتب،الطبعة: الأولى، 29 هـ 2008 م، ص:1 / 436:1 / 436

کثیر مفاہیم کا حامل ہے۔اردو لغات میں اس کے معانی قید کرنا کے بیان ہوئے ہیں[1]۔کلام اللہ میں بھی لفظ حبس بمعنی قید استعمال ہوا ہے۔

تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ[2] "ان کو قید کرو نماز کے بعد"

اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی لفظ حبس کو قید کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے

أتي النبي صلى الله عليه وسلم برجلين أحدهما قتل , والآخر أمسك,فقتل الذي قتل,وحبس الممسك[3]

"آپ ﷺ کے پاس دو آدمی لائے گئے۔ان میں سے ایک نے ایک آدمی کو پکڑے رکھا اور دوسرے نے قتل کر دیا، آپ ﷺ نے قتل کرنے والے کو قتل کرنے اور پکڑنے والے کو قید میں رکھنے کا حکم دیا"

درج بالا آیت اور حدیث مبارکہ میں لفظ حبس کا استعمال قید کے معانی پر محمول ہے۔اگرچہ روکنے اور پکڑنے کے معانی مختلف بھی ہو سکتے ہیں مگر جب کسی شخص کا پکڑنا یا روکنا کسی الزام یا جرم کے بدل میں ہو تو اسے قید ہی کہا جاتا ہے۔قرآن و حدیث میں مستعمل بعض دیگر الفاظ سے بھی حبس یا قید کے معانی لیے جاتے ہیں جیسے الصبر،الامساک،السجن،الاسیر وغیرہ۔تاہم یہ تمام الفاظ جب سیاق سباق کے ساتھ الزام، جرم یا سزا کے مفہوم پر مبنی ہوں تو عموماً ان سے مراد حبس لیا جاتا ہے۔

## حبس کا اصطلاحی مفہوم

کسی شخص کی آزادی کو سلب کرنا حبس کہلاتا ہے۔محبوس کرنا یا نظر بند کرنا کسی جگہ پر بھی ممکن ہو سکتا ہے جیسے مسجد، گھر، یا کسی بھی ایسی جگہ جہاں اس شخص سے کوئی آزادانہ ملاقات نہ کر سکے اور نہ ہی وہ آزادانہ چل پھر سکے۔کسی شخص کا اس طرح قید ہونا کہ جہاں کوئی بغیر اجازت نہ جا سکے، ملزم وہاں سے بغیر اجازت نکلتے ہوئے خوف کھائے، اور وہ اپنی مرضی کے مطابق نہ رہ

---

[1] فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات (اردو، جامع) مطبوعہ، فیروز سنز، لاہور، ص:563،ح ب

[2] المائدۃ:5/ 106

[3] الدارقطني ، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني :المتوفى:385هـ ، سنن الدارقطني،الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت،لبنان الطبعة: الأولى، 1424 هـ- 2004 م، كتاب الحدود والديات،ص::4 / 164 ،رقم الحديث:3268

سکے۔ حبس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ کوئی مخصوص مکان ہو بل کہ کسی شخص کو اس کے گھر میں بھی قید کرنا جہاں سے اس کے لیے نکلنا ممکن نہ ہوسکے ، حبس ہی کے زمرے میں آتا ہے [1]۔انگ ریزی لغات میں لفظ حبس کو IMPRISONMENT کہاجاتاہے جس کو یوں بیان کیا گیاہے۔

The act of putting or confining a man in prison ; the restraint of a man's personal liberty[2]

"روکے رکھنے یا جیل میں بند کرنے کے عمل کو قید کہاجاتاہے،قید کرنے کے عمل سے شخص کی آزادی کوروکنامراد ہے"

## اقسام حبس:

بنیادی طور پر حبس کی دواقسام ہیں: حبس استظہاراور حبس عقوبت۔

الزام کے استبراء واستظہار کے لیے کسی شخص کو قید کرنا"حبس استظہار" یا" حبس ملزم" کہلاتاہے۔عصر حاضر میں ملزم کے لیے قانونی اصطلاح UTP (Under Trial Prisnor) یعنی"زیر تفتیش قیدی"مستعمل ہے۔جب کہ جرم ثابت ہونے کے بعد عدالتی حکم کے تحت بطور سزا کسی شخص کی قید کو" حبس عقوبت"کہتے ہیں۔

"مجموعہ تعزیرات پاکستان"(Pakistan Penal code 1860)کی دفعہ نمبر55 میں حبس عقوبت کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

Imprisonment means confinement of convict within certain prescribed limits.

حبس سے مراد ہے کہ مقررہ حدود میں کسی بھی مجرم کو قید کرنا۔

---

[1] ابن تيمية ،تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبي القاسم بن محمد ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728هـ)، الفتاوى الكبرى لابن تيمية،الناشر: دار الكتب العلمية،الطبعة: الأولى، 1408هـ - 1987م، كتاب البيع،باب الحجر،5 / 398

[2] Featuring Black's Law Dictionary Free Online Legal Dictionary 2nd Ed.

## ملزم (Accused)

اصطلاح ملزم لفظ الزام سے ماخوذ ہے۔ لغت میں الزام کے معانی لازم کرنے اور لگا دینے کے بیان ہوئے ہیں[1]۔ عرف عام میں الزام سے مراد کسی فعل کے ارتکاب کو کسی شخص کے ساتھ منسوب کرنا ہے۔ جس شخص کے ساتھ کوئی الزام منسوب کیا جائے اسے ملزم کہا جاتا ہے۔ اردو لغات میں ملزم کے معانی الزام لگا یا ہوا بیان ہوئے ہیں[2]۔ ملزم پر کسی فعل کو لازم کرنے کی بنیاد آثار، علامات، قرائن اور قیاس پر ہوتی ہے جن کو یقینی نہیں کہا جا سکتا ہے۔

## حبس ملز کی شرعی حیثیت

جب کسی شخص پر الزام عائد ہوتا ہے تو اس کو ملزم تصور کیا جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ باکردار ہے یا بدکردار، پارسا ہے یا گناہ گار۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ معاشرے کے سب سے معزز اور مقدس شخصیات یعنی انبیائے کرام علیہم السلام پر بھی الزامات لگائے گئے۔ الزام کا لگ جانا کسی کو مجرم ثابت نہیں کرتا۔ لہذا محض الزام کی بنا پر نہ تو کسی کو قصور وار ٹھہرایا جا سکتا ہے اور نہ ہی سزا دی جا سکتی ہے۔ جس پر الزام عائد ہوتا ہے اس کو عدالت میں استبراء واستظہار کے لیے طلب کرنا شرعی تقاضا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے قاضی کو ملزم سے جواب حاصل کرنے اور اس پر لگنے والے الزام کی تحقیق و تفتیش کا مکمل اختیار دیا ہے۔ اگر کوئی ملزم جواب دینے سے انکاری ہو یا تامل برتے تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملزم سے زبردستی جواب حاصل کرے[3]۔ شریعت اسلامیہ میں عدل وانصاف پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں جو علاقے نئے فتح ہوئے تھے ان میں لوگوں کی تربیت اس طرح نہیں تھی کہ وہ اسلام کی روح سے مکمل واقف ہو چکے ہوں۔ بعض لوگ بغیر کسی خاص وجہ کے محض ظن و گمان پر مبنی الزام لگاتے اور دوسروں کو پکڑواتے جس پر حضرت عمر◆ نے فرمایا:

---

[1] لغات القرآن، ص 214

[2] فیروز اللغات (اردو، جامع)، ص: 1283، م ل

[3] النسفي، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (المتوفى: 710هـ)، كنز الدقائق، للنسفي، الناشر: دار البشائر الإسلامية، دار السراج، الطبعة: الأولى، 1432هـ - 2011م کتاب الدعوی، 494

والله لا يؤسر رجل في الإسلام بغير العدول[1].

"خدا کی قسم اسلام میں کسی آدمی کو بھی بغیر عدل کے قید نہیں کیا جاسکتا ہے

شرعی لحاظ سے محض الزام کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی محض دعوے کی بنیاد پر کسی شخص کے بنیادی حقوق و معطل کیے جاسکتے۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

لو يعطى الناس بدعواهم لادعى رجال أموال قوم ودماءهم , ولكن البينة على المدعي , واليمين على من أنكر [2]

"اگر لوگوں کو ان کے دعوے کی بنیاد پر (فیصلہ) دیا جائے تو لوگ قوم کے مال اور ان کے خون کا دعوی کرنے لگیں۔ بینہ مدعی پر ہے اور انکار کرنے والے پر قسم ہے"

سچا دعویٰ دائرہ کرنا کسی بھی شخص کا بنیادی حق ہے جس کو شریعت اسلامیہ میں کسی بھی لحاظ سے منع نہیں کیا جاتا۔درج بالا حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ امر ضروری ہے کہ دعوے کی حقیقت کو دیکھتے ہوئے ہوئے فیصلہ کیا جائے۔ محض دعوے کا دائر ہو جانا حق کو ثابت نہیں کرتا جب تک اس پر شہادت وبینہ پیش نہ کی جائیں۔اس لیے قاضی کو چاہیے کہ وہ ملزم کو اس وقت تک قید نہ کرے جب تک دعوے میں بیان کردہ حقائق اور بیرونی قرائن وبینہ کو شرعی و قانونی تناظر میں دیکھ نہ لے۔حضرت امام ابو یوسف ❹ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ محض الزام کی بنیاد پر ملزم کو قید نہیں کیا کرتے تھے[3]۔ایک مرتبہ عدالت فاروقی ◆ میں چوری کا مقدمہ درج ہوا اور ملزم کو ہتھ کڑیوں کے ساتھ گرفتار کرنے کی درخواست کی گئی۔سیدنا عمر ◆ نے حراست میں لینے

---

1 مالك ،مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179هـ)، موطأ مالك ت الأعظمي ،الناشر: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية، أبو ظبي،الطبعة: الأولى، 1425 هـ - 2004 م،ص: 4 / 1043

2 البيهقي ، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ،الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنات،الطبعة: الثالثة، 1424 هـ - 2003 م،10 / 427

3 أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاري (المتوفى : 182هـ)، الخراج ،الناشر : المكتبة الأزهرية للتراث،باب في الزيادة والنقصان والضياع في الزكاة ، فصل: في أهل الدعارة والتلصص والجنايات وما يجب فيه من الحدود ،192

کی وجوہات پر استفسار کیا اور ملزم کے خلاف شہادت و بینہ طلب کیں جو مہیا نہ ہو سکیں تو مقدمہ خارج کرتے ہوئے ملزم کو حراست میں لینے سے منع فرما دیا[1]۔

قاضی کو پہلے دعوے کی حقیقت سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ دعوے کا قابل سماعت ہونا بھی ضروری ہے۔ دیکھا جائے کہ دعویٰ ان شرائط پر پورا اترتا ہے جو شرعی قانونی لحاظ سے بیان کی گئی ہیں۔ کسی بھی الزام کی تفتیش فیصلے کے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ جب تک کسی مقدمے میں تفتیش کا عمل مکمل نہیں ہوتا فیصلہ کرنا انصاف کے منافی ہے۔ دعوے کے ثبوت میں شہادت و بینہ کا مہیا کرنا مدعی کے ذمہ ہے البتہ حدیث مبارکہ کی رو سے حلف کا اٹھانا دعوے سے انکار کرنے والے یعنی مدعا علیہ پر لازم ہے جس کو عدالت میں بطور شہادت قبول کیا جاتا ہے۔ مقدمات میں الزامات کی نوعیت شدت اور خفت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ خفیف نوعیت کے الزام میں ملزم کو قید میں رکھنا درست نہیں۔ اگر سنگین نوعیت کا الزام ہو جس میں ارتکاب جرم کے آثار و قرائن بھی ملزم کی طرف یقین کو متزلزل نہ کریں تو ملزم کو حراست میں لے کر الزام سے متعلق تحقیق و تفتیش اور چھان بین کرنا شرعاً جائز ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے ریاست مدینہ میں بطور جج لوگوں کے تنازعات پر فیصلے صادر فرمائے۔ انہی فیصلوں میں لوگوں کو سزائیں بھی دیں اور عدم ثبوت پر لوگوں کو الزامات سے مبرا بھی کیا۔ چناں چہ کتب احادیث میں آپ ﷺ کے کثیر فیصلے مرقوم ہیں جن میں سے چند بطور مثال درج کیے جاتے ہیں جن سے حبس ملزم پر رہنمائی ملتی ہے۔

عن بَهْزِ بن حَكيم، عن أبيه عن جده: أن النبيَّ -صلَّى الله عليه وسلم- حَبَسَ رَجُلاً في تُهْمَةٍ[2]

"بھز بن حکیم نے اپنے والد سے اور دادا سے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بوجہ الزام قید کیا"

یہ بات بالکل واضح ہے کہ قید کرنے کا اصل مقصد الزام سے متعلق تحقیق و تفتیش مقصود تھی اور جب معاملہ منکشف ہو گیا تو آپ ﷺ نے ملزم کو رہا کر دیا۔

---

1 مصنف عبد الرزاق الصنعاني ، كتاب اللقطة، باب التهمة،(10/ 217)،رقم الحديث، 18893

2 أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ)، سنن أبي داود ، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا - بيروت (5/ 474) رقم الحديث:3630

ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو ایک شخص نے دوران خطبہ اپنے ہمسائیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا جن کو بوجہ الزام حراست میں رکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے استفسار کے بعد انھیں رہا کیا گیا[1]۔

جب کسی شخص پر الزام عائد ہوتا ہے تو اس کو حراست میں رکھنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اگر عادی مجرم ہے تو اس کو کسی مکان وغیرہ میں بند کر دیا جائے جب تک اس پر معاملہ منکشف نہ ہو جائے۔ ضروری نہیں کہ ہر ملزم کو ہی کسی مکان میں بند کیا جائے بل کہ قاضی کا محض اسے اپنے پاس روک لینا بھی حراست کے زمرے میں آتا ہے۔ تحقیق و تفتیش کے لیے لوگوں کو حراست میں رکھنے کی حدیث کو امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حبس ناسا في تهمة[2]

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بوجہ الزام قید کیا

اسی طرح ایک مقدمے میں بنو غطفان کے لوگ بنی غفار کے دو آدمیوں کو اونٹوں کی چوری کے الزام میں پکڑ کر لائے اور آپ ﷺ کے سامنے اپنا معاملہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے تمام معاملہ سماعت کرنے کے بعد بنو غفار کے دونوں آدمیوں میں سے ایک کو قید کر دیا اور دوسرے سے کہا کہ جاؤ اونٹ ڈھونڈ کر لاؤ۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ وہ اونٹ ڈھونڈ کر لے آیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں کو چھوڑ دیا[3]۔

حدیث مبارکہ میں رحمت عالم ﷺ کا بوجہ تہمت حراست میں رکھنے کے طرز عمل سے حبس ملزم کا اثبات واضح ہے۔ تاہم یہ بات ذہنی تجسس پر مبنی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں الزام کے استبراء وانکشاف کے لیے کتنی دیر تک ملزم کو قید کیا جاسکتا ہے ؟۔ اگرچہ الزام کی نوعیت کے پیش نظر یہ قاضی کا صوابدیدی اختیار معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملزم کو اس وقت تک حراست میں رکھے جب تک معاملہ منکشف نہ ہو جائے۔ مگر شریعت اسلامیہ نے کلیتاً اُسے قاضی کے صوابدیدی اختیار پر منحصر نہیں رکھا بل کہ

---

1 النسائي ،أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303هـ)، السنن الصغرى للنسائي، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب، الطبعة: الثانية، 1406 - 1986 ،رقم الحديث: 4875

2 السنن الكبرى للنسائي ، (7/ 8)رقم الحديث: 7321

3 مصنف عبد الرزاق الصنعاني، كتاب اللقطة ، باب التهمة رقم الحديث،18892

حدیث مبارکہ ، تعامل صحابہ اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں اس کا تعین ضرور سامنے آتا ہے۔آپ ﷺ کا طرز عمل مختلف مقدمات میں مختلف مدت تفتیش پر مبنی ہے جس میں ملزم کو حبس میں رکھا گیا۔ذیل میں اس کی وضاحت احادیث کی روشنی میں قلم بند کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں:

أن النبي صلى الله عليه وسلم " حبس رجلا في تهمة ساعة من نهار، ثم خلى عنه[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دن کے کچھ حصے تک قید کیا، پھر اسے چھوڑ دیا۔

بعض اہل علم لفظ سَاعَةً سے ایک گھنٹہ مراد لیتے ہیں۔بہر حال یہ واضح ہوا کہ دن کے کچھ حصے تک یعنی کچھ دیر کے لیے ملزم کو بوجہ تحقیق و تفتیش قید کیا گیا۔مذکور حدیث مبارکہ میں کسی ملزم کو رات کے وقت قید میں رکھنے کا حکم واضح نہیں ۔جب کسی شخص پر الزام عائد ہو تو قاضی ملزم کو عدالتی وقت کے دوران بوجہ تحقیق و تفتیش قید میں رکھ سکتا ہے۔قاضی اگر تفتیش کا عمل عدالتی اوقات میں مکمل کرنے سے قاصر رہتا ہے تو اس صورت میں قاضی کو یہ اختیا حاصل ہے کہ وہ ملزم کو بعد از اوقات عدالت بھی قید میں رکھے تاکہ تفتیش کا عمل مکمل ہو سکے۔جیسے حدیث مبارکہ میں ملزم کو دن اور رات قید میں رکھنے کا بھی ذکر ہوا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه «أن النبي صلى الله عليه وسلم حبس رجلا في تهمة يوما وليلة استظهارا واحتياطا[2]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استظہار اور احتیاط کی بنا پر ایک شخص کو ایک دن اور ایک رات کے لیے قید میں ڈال دیا"

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي (6/ 88) رقم الحديث،11291

[2] الحاكم النيسابوري ، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع المتوفى: 405هـ)، المستدرك على الصحيحين للحاكم ،الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ،الطبعة: الأولى، 1411 – 1990، (4/ 114)رقم الحديث: 7064

الزام کے استبراء واستظہار کے لیے اگر قاضی ملزم کو ایک دن یا ایک رات تک بھی قید میں رکھنا ضروری خیال کرتا ہے تو شرعاً درست ہے۔اسی طرح ایسے مقدمات جو سنگین نوعیت کے ہوں جیسے قتل، ڈکیتی اور زنا وغیرہ، بعض اوقات ان میں تفتیش کا عمل پیچیدہ ہوتا ہے یعنی شہادت وبینہ کے حصول اور ان کو جانچنے کے لیے مزید وقت درکار ہوتا ہے تو ایسی صورت میں قاضی ملزم کو تین دن تک بھی قید میں رکھ سکتا ہے۔رحمت عالم ﷺ کی درج ذیل حدیث مبارکہ سے اس معاملے میں رہنمائی ملتی ہے:

عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم: " حبس رجلا في تهمة في دم ثلاثة أيام ثم خلى عنه [1]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اس نے ایک آدمی کو خونریزی کے الزام میں تین دن تک قید میں رکھا، پھر اسے چھوڑ دیا"

ملزم کو قید کرنے کی بنیادی وجہ محض الزام کی تفتیش ہے نہ کہ محبوس شخص کو مجرم تصور کیا جائے۔جب تک اس پر تفتیش جاری ہے اور اس پر عدالت کی طرف سے باقاعدہ طور پر جرم ثابت نہیں ہو جاتا شریعت کی رو سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ معاشرے میں اس کی عزت کو داغدار کرے۔

پاکستان میں یہ وبا عام ہے، جیسے ہی کوئی شخص حراست میں لیا جاتا ہے معاشرتی طور پر اس کی عزت نفس مجروح ہو جاتی ہے اور بالخصوص ہمارے نشریاتی ادارے اس میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اس طرح کسی کی عزت نفس کو محض الزام کی بنیاد پر مجروح کرنا یا اس طرح کا پروپیگنڈا کرنا کہ جیسے وہ مجرم ہے شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

اگر ملزم کے حوالے سے ارتکاب جرم پر ایسے قرائن موجود ہیں جن کی روشنی میں ملزم پر ارتکاب جرم کا گمان غالب ہے یا ملزم بذات خود ارتکاب جرم کو جزوی طور پر قبول کر لیتا ہے تو قاضی اسے قید میں رکھ کر کلی جرم کے حوالے سے تفتیش کر سکتا ہے ۔اس صورت میں قاضی کو ملزم پر سختی کرنے کا بھی شرعی جواز موجود ہے۔آپ ﷺ کے سامنے ایک مقدمہ لایا گیا جس میں ایک شخص پر خیبر کے غزوہ کے بعد خزانہ چھپانے کے الزام تھا۔یہ ملزم یہاں تک تو اقرار کرتا تھا کہ خزانہ اس نے حاصل کیا ہے مگر

---

1 قاضي المارِسْتان،محمد بن عبد الباقي بن محمد الأنصاري الكعبي، أبو بكر، المعروف بقاضي المارِسْتان (المتوفى: 535هـ) ، مشيخة قاضي المارستان ،الناشر: دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع،الطبعة: الأولى 1422 هـ ، (أحاديث الشيوخ الثقات) (المشيخة الكبرى)الجزء الثاني من: أحاديث الشيوخ الثقات،2 / 711،رقم الحديث،205

وہ کہتا تھا کہ اب وہ خرچ ہو چکا ہے۔ قیاس یہ کیا گیا کہ مال زیادہ ہے اور خیبر کے واقعہ کو وقت کم گزرا ہے۔ لہذا اس کو قید کیا گیا اور حضرت زبیر بن عوام ◆ کو تحقیق و تفتیش پر مامور فرمایا جنھوں نے ملزم پر سختی کی اور اعتراف جرم کروایا(1)۔

## تعامل صحابہ میں حبس ملزم کی امثلہ

آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین اور آئمہ فقہا کے متعدد فیصلے کتب احادیث و تواریخ میں موجود ہیں جن کو بطریق احسن دیکھا جاسکتا ہے کہ ملزم کو استبراء و استظہار کے لیے قید کیا گیا۔ دور فاروقی ◆ میں سلطنت اسلامیہ میں وسعت آئی اور اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔ اتنے وسیع و عریض مملکت میں نظام عدل اس قدر کامیاب رہا کہ آج بھی اس کی مثال دی جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں گورنروں کو بھی زیر تفتیش لایا جاتا تھا۔ جیسے ایک مقدمے میں حضرت عمرو ابن العاصؓ کو کھلی عدالت میں لایا گیا جب تفتیش میں وہ قصوروار قرار پائے تو قصاص کے لیے طلب کیا اور مجروح سے کہا کہ اپنے کوڑوں کا بدلہ لے لو، جس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے ہر کوڑے پر دو اشرفیاں دے کر مضروب کو راضی کیا(2)۔

اسی طرح ایک مصری نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں مدینہ میں جاکر دعویٰ دائر کیا کہ مجھے گورنر مصر حضرت عمرو ابن العاصؓ کے بیٹے نے مارا ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے ان کے بیٹے کو الزام کے استبراء و استظہار کے لیے مدینہ طلب کیا۔ تمام شہادت و بینہ کو زیر بحث لانے کے بعد حضرت عمرو ابن العاصؓ کے بیٹے کو قصوروار قرار دیتے ہوئے اس پر سزا کا نفاذ کیا(3)۔

---

1 ابن فرحون ، إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى: 799هـ)، تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ،لابن فرحون ،الناشر:مكتبة الكليات الأزهرية،الطبعة: الأولى، 1406هـ 1986م،2 / 120

2 الخراج لأبي يوسف، باب في الزيادة والنقصان والضياع في الزكاة، فصل: في تقبيل السواد واختيار الولاة لهم والتقدم إليهم، 129

3 قاضي خان ،علاء الدين علي بن حسام الدين ابن قاضي خان القادري الشاذلي الهندي (المتوفى: 975هـ)، كنز العمال ،الناشر: مؤسسة الرسالة،الطبعة: الطبعة الخامسة، 1401هـ/1981م ،باب فضائل الصحابة،فضائل الفاروق رضي الله عنه،عدله رضي الله عنه، 12 / 660،رقم الحديث،36010

عدالت کا بنیادی وصف انصاف ہے اور انصاف اس وقت تک قائم نہیں کیا جا سکتا جب تک فریقین کے مابین افراط و تفریط کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ کی عدالت میں یہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ کسی امیر کو غریب پر، کسی مقامی کو غیر مقامی پر یا کسی عہد دار کو رعایا پر عدالتی امور میں کوئی برتری نہیں تھی۔ یہاں تک کہ خلیفہ وقت بھی ایک عامی کی طرح عدالت میں قاضی کے سامنے حاضر ہوتا اور قاضی کے سوالات کا جواب دیتا۔ عدالتِ عمرؓ میں متعدد مقدمات وقت کے گورنروں کے خلاف زیر تفتیش رہے اور گورنروں پر سزا کا نفاذ بھی عمل میں آیا۔ یہی وہ عدالتی خصوصیات تھیں جنھوں نے دور فاروقی کو دنیائے افق پر ابدیت بخشی اور ان کے انصاف کو آج بھی بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ عدالت فاروقی میں تفتیش میں تاخیر کی اجازت ہر گز نہ تھی۔ مقدمہ دائر ہوتے ہی تفتیش کا عمل شروع ہو جاتا اور جتنی جلد ممکن ہوتا فیصلہ صادر کر دیا جاتا۔ تفتیش میں تاخیر در حقیقت عدل و انصاف کا قتل ہے جو اسلام کی روح کے منافی ہے۔

شریعت اسلامیہ میں ملزم کو اس وقت تک قید میں رکھنا یا حراست میں لینا جائز قرار دیا جاتا ہے جب تک قاضی ملزم سے تفتیش کر رہا ہے۔ جب معاملہ واضح ہو جائے تو فیصلہ سنانے میں تاخیر کسی طور مناسب نہیں۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد فقط دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں، ملزم کو رہا کرنا یا اس پر سزا کا اطلاق کرنا۔ جب قاضی پر معاملہ منکشف ہو جائے تو اس کے بعد ملزم کو قید میں رکھنا یا فیصلے میں تاخیر کرنا شریعت اسلامیہ میں ظلم قرار دیا گیا ہے۔ چناں چہ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم فرماتے ہیں:

عن أبي جعفر، أن عليا رضي الله عنه قال: " إنما الحبس حتى يتبين للإمام، فما حبس بعد ذلك فهو جور[(1)]

"حضرت ابی جعفرؒ سے روایت ہے کہ علیؓ فرماتے ہیں، کہ قید امام پر معاملہ منکشف ہونے تک ہے اس کے بعد روکنا ظلم ہے"

---

1 السنن الكبرى للبيهقي،كتاب التفليس، باب حبسه إذا اتهم، وتخليته متى علمت عسرته وحلف عليها ،6 / 88، رقم الحديث،11292

حضرت علیؓ کے فیصلے نظام عدل میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں جو انتہائی ذکاوت و فطانت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور نطق پیغمبر ﷺ سے ملنے والے اعزازِ علم کا اظہار باکمال ہیں۔ آپؓ نے عہد نبوی ﷺ میں بھی متعدد فیصلے فرمائے جن کو رحمت عالم ﷺ نے پسند فرمایا اور اسی طرح بقیہ خلفاء کے دور میں بھی آپ کے فیصلے معروف و مشہور ہیں۔

حضرت علیؓ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں مدعی نے چند لوگوں پر اپنے باپ کے قتل کا الزام لگایا۔ اگرچہ اس سے قبل یہ مقدمہ قاضی شریح کے پاس درج ہوا تھا مگر انھوں نے جو فیصلہ دیا اس میں ملزموں کو رہا کر دیا گیا۔ عدم اطمینان کی بنا پر مدعی نے اپنے باپ کے قتل کا مقدمہ حضرت علیؓ کے سامنے بیان کیا۔ حضرت علیؓ نے ملزموں کو بذریعہ پولیس گرفتار کروایا اور ان کو مختلف ستونوں سے علیحدہ علیحدہ باندھ کر ان پر نگران متعین کیے تاکہ وہ ایک دوسرے سے بات نہ کریں نیز جب تک تفتیش مکمل نہ ہو جائے کسی اور شخص سے بھی ان کا بات چیت کرنا ممنوع قرار دیا۔ دوران تفتیش تمام ملزموں نے قتل کا اعتراف کیا اور امیر المؤمنین جناب سیدنا علی کرم اللہ الوجہ الکریم نے مدعی کو انصاف دلوایا[1]۔

حضرت علیؓ کے طرز تفتیش سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزام کی تہ تک پہنچنے کے لیے تفتیش نہایت اہم عمل ہے۔ اگرچہ قاضی شریح نے بھی تفتیش کی مگر ملزم بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد ازاں سیدنا علی المرتضیٰؓ نے تفتیش کا جو طریقہ اختیار کیا اس میں الزام درست ثابت ہوا اور ملزموں کو سزا سنائی گئی۔ سیدنا علی ◆ کی مقدمات میں فراست نہایت بلند تھی اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں بہت سے پیچیدہ امور کو حل کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپؓ نے اپنے دور میں تفتیش کا طریقہ کار وضع کیا اور اس کے بنیادی قواعد تشکیل دیے۔ مصنف ابن ابی شیبہ نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں جناب علی کرم اللہ وجہ الکریم نے ملزم کو قید کیا اور گواہوں پر بھی تفتیش فرمائی۔

---

1 الطرابلسي ،أبو الحسن، علاء الدين، علي بن خليل الطرابلسي الحنفي (المتوفى: 844هـ)، معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام ،الناشر: دار الفكر،الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ، القسم الثالث من الكتاب في القضاء بالسياسة الشرعية، الفصل الثاني في أحكام هذا الباب، 173

عن ابن جريج، قال: " أتي علي برجل وشهد عليه رجلان أنه سرق، فأخذه شيء من أمور الناس، وتهدد شهود الزور، فلا أوتى بشاهد زور إلا فعلت به كذا وكذا، قال: ثم طلب الشاهدين فلم يجدهما، فخلى سبيله[1]

"ابن جریج کہتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پاس لایا گیا اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے۔ آپ نے گواہوں کو روک لیا اور لوگوں کے امور نمٹانے لگے۔ اسی کے ساتھ جھوٹی گواہی پر ڈرانا شروع کیا اور فرمایا کہ میں نے جھوٹے گواہوں کے ساتھ یہ یہ کیا۔ پھر گواہوں کو طلب کیا مگر ان دونوں کو نہ پایا تو آپ نے ملزم کو رہا کر دیا"۔

مقدمات میں باقاعدہ طور پر تفتیش کرنا سیدنا علیؓ کے دور میں اختیار کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے اخیر عہد میں تفتیش کا طریقہ کار وضع کیا مگر اس میں تفتیش کا وقت متعین نہیں کیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حکومتی طاقت کے ساتھ ظلم وتعدی پر مبنی مقدمات میں تفتیش کے لیے باقاعدہ وقت متعین کیا اور تفتیش کے لیے مستقل ایک شخص کا تقرر کیا[2]۔

## فقہا کی آراء کی روشنی میں حبس ملزم

شریعت اسلامیہ میں فقاہت اور اجتہاد کو اہمیت حاصل ہے۔ شرعی قوانین کی تشریح کرنے والے فقہائے کرام اپنی رائے قرآن وسنت اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنھم کی روشنی میں قائم کرتے ہیں۔ چناں چہ ان کی رائے میں بغیر کسی سنگین الزام کے کسی شخص کو حراست میں رکھنا جائز نہیں، بالخصوص ایسے شخص کو جو اچھی شہرت کا حامل ہو۔ ہاں اگر کوئی معاشرے میں اچھی شہرت نہ رکھتا ہو یا ملزم کے فرار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو جمہور فقہا کی رائے میں بغرض تحقیق وتفتیش حبس میں رکھنا جائز ہے۔

---

1 ابن أبي شيبة،أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي(المتوفى: 235هـ) مصنف ابن أبي شيبة(المصنف في الأحاديث والآثار)،الناشر: مكتبة الرشد، الرياض،الطبعة: الأولى، 1409،كتاب الحدود،في الرجل يشهد عليه شاهدان ثم يذهبان،5 / 545، رقم الحديث،28829

2 الماوردي،أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (المتوفى: 450هـ)، الأحكام السلطانية للماوردي ،الناشر: دار الحديث - القاهرة ، الباب السابع: في ولاية المظالم، 131

معروف قاضی الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) متہم یعنی ملزم کو تفتیش اور استبراء کے لیے قید کر دینے کو شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز قرار دیتے ہیں[1]۔اسی طرح عظیم فقیہ اور قاضی ابو یعلی (متوفی ۴۵۸ھ) بھی مختلف اقوال کے ساتھ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ملزم کو برائے تحقیق و تفتیش قید میں رکھنا جائز قرار دیتے ہیں[2]-امام بغویؒ(المتوفی:۵۱۶ھ) ملزم کی قید کے لیے بہز بن حکیم کی روایت کو بنیاد بناتے ہیں کہ اگر قاضی کے پاس دعویٰ دائر ہو کہ ملزم پر کسی کا حق ہے اور وہ ادا کرنے میں لیت و لعل سے کام لے رہا ہے یا اس پر مال کو ظاہر نہ کرنے کا الزام ہے یعنی اس نے اپنے مال کو اس غرض سے چھپایا ہوا کہ لینے والے کو پتہ نہ چل جائے تو اسے قید میں رکھ کر اس کے مال کے بارے میں معلومات لی جاسکتی ہیں۔تاہم یہ معاملہ قاضی پر منحصر ہے کہ وہ ملزم کی ظاہری اور باطنی حالت سے آگاہ ہوتے ہوئے فیصلہ کرے چناں چہ شرح السنہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں

وإن كان له مال يخفيه، حبس وعزر، حتى يظهر ماله، وإن ادعى هلاك ماله لم يقبل حتى يقيم عليه البينة، فإن لم يقم البينة حبس، ولا غاية لحبسه أكثر من الكشف عنه، فمتى ظهر للحاكم عدمه خلى سبيله [3]

"اور اگر اس کے پاس مال ہے جو اس نے چھپا رکھا ہے تو اسے قید کیا جائے گا اور اس وقت تک تعزیر کیا جائے گا جب تک کہ اس کا مال ظاہر نہ ہو جائے اور اگر وہ اپنی رقم کے ضائع ہونے کا دعویٰ کرے تو اس وقت تک اسے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ اس کے خلاف ثبوت قائم نہ کرے۔اگر وہ ثبوت قائم نہیں کرتا تو اسے قید کر دیا جائے گا، اور اس کی قید کا مقصد سوائے معاملے کے منکشف ہونے کے کچھ نہیں، پس جب جج کو عدم مال کا علم ہو جائے تو اسے رہا کر دیا جائے"

---

1 الأحكام السلطانية للماوردي الباب التاسع عشر: في أحكام الجرائ،323

2 ابن الفراء، القاضي أبو يعلى،محمد بن الحسين بن محمد بن خلف ابن الفراء (المتوفى : 458هـ)، الأحكام السلطانية لأبي يعلى الفراء ،الناشر : دار الكتب العلمية - بيروت ، لبنان،الطبعة : الثانية ، 1421 هـ - 2000 م، فصل في وضع الديوان، وذكر أحكامه، 258

3 البغوي، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (المتوفى: 516هـ)، شرح السنة للبغوي ،الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت، الطبعة: الثانية، 1403هـ - 1983م، ص: 8 / 195

## حبس ملزم پر معروف قاضیوں کے فیصلے

تاریخ اسلام میں بڑے متقی قاضی گزرے ہیں جنہوں نے منصب قضا کا حق ادا کیا ہے۔ ذیل میں محض چند ایک فیصلوں کو قلم بند کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ معروف قاضی اور صحابی رسول ﷺ حضرت نعمان بن بشیر ♦ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں ایک شخص کو چوری کے جرم میں لایا گیا۔ آپ نے اسے قید کیا اور اس سے تفتیش کی جب آپ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ شخص چوری کا مرتکب نہیں ہوا، اور اس سے چوری کا سامان بھی برآمد نہیں ہوا تو آپ نے ملزم کو چھوڑ دیا۔ ملاحظہ فرمائیں

أن قوماً مِن الكَلاعِيينَ سُرِقَ لهم مَتَاعٌ، فاتَّهَمُوا ناساً من الحَاكَةِ، فأتوا النعمانَ بنَ بشيرٍ صاحبَ النبيِّ - صلَّى الله عليه وسلم، فحبَسهم أياماً، ثم خلَّى سبيلَهم، فأتوا النعمانَ، فقالوا: خلَّيتَ سبيلَهم بغيرِ ضربٍ ولا امتحانٍ، فقال النعمانُ: ما شئتُم؟ إن شئتم أن أضرِبَهم، فإن خرجَ متاعُكم فذاك، وإلا أخذتُ من ظُهوركم مثلَ ما أخذتُ مِن ظُهورهم، فقالوا: هذا حُكمُك؟ فقال: هذا حُكمُ الله عزَّ وجلَّ وحكمُ رسوله -صلَّى الله عليه وسلم[1]

کلاعیین کے لوگوں کا سامان چوری ہو گیا تو انہوں نے الحکاۃ کے لوگوں پر الزام لگایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نعمان بن بشیرؓ کے پاس آئے تو آپ نے (بغرض تفتیش) انھیں دنوں تک قید رکھا۔ پھر (بعد از تفتیش) آپ نے ان کو چھوڑ دیا۔ کلاعیین کے لوگ حضرت نعمانؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے انھیں بغیر مارے اور بغیر امتحان میں ڈالے چھوڑ دیا۔ حضرت نعمانؓ نے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ان کو ماروں اور مارنے سے آپ کا سامان نکل آئے تو درست ورنہ آپ کی پر پیٹھ پر بھی اسی طرح کروں گا جو ان کے ساتھ کیا گیا ہے، اس پر انہوں نے کہا: کیا یہ تمہارا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم (فیصلہ) ہے۔

اولاً تو ملزم کو بغیر کسی قوی قرینے کے قید کرنے کی ممانعت ہے اور اگر قاضی ملزم کو قید کرلے تو اس پر سختی کرنے یا سزا دینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ حضرت عمرؓ کے بقول جس نے ایسا کیا اس سے قصاص لیا جائے گا[2]۔ تاہم بعض وجوہات کی بنا پر ملزم پر سختی کرنے کی اجازت بھی موجود ہے مگر اس کے لیے قوی قرینے کا ہونا ضروری ہے۔

---

1 سنن أبي داود ، كتاب الحدود ، باب في الامتحان بالضرب ، 4 / 135، رقم الحديث، 4382

2 سنن أبي داود، كتاب الديات، باب القود من الضربة، وقص الأمير من نفسه، 4 / 183، رقم الحديث، 4537

منصب قضاپر براجمان ایک اور معروف شخصیت قاضی ایاسؒ ہیں، آپؒ کے فراست بھر فیصلے بھی کتب احادیث میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ چناں چہ ملزم کی قید کے حوالے سے آپ کا ایک فیصلہ قابل ذکر ہے، ملاحظہ فرمائیں:

وقَالَ: المدائني: تنازع إِلَى إياس رجلان؛ ادعى أحدهما أنه أودع صاحبه مالاً، وجحده الآخر؛ فَقَالَ: إياس: أين أودعته هَذَا المال ؟ قال: فِي موضع كذا وكذا؛ قال: وما كان فِي ذلك الموضع؟ قال: شجرة؛ قال: فانطلق فالتمس مالك عند الشجرة، فلعلك إِذَا أتيتها تذكر أين وضعت مالك؛ فانطلق الرجل، وقَالَ: إياس للمطلوب: اجلس إِلَى أن يجئ صاحبك فجلس فلبث إياس ملياً يحكم بين الناس، ثم قَالَ: للجالس عنده: أترى صاحبك بلغ الموضع الذي أودعك فِيْهِ ؟ قال: لا؛ قال: يا عدو الله إنك لخائن، فأقر عنده، فحبسه حتى جاء صاحبه ثم أمره بدفع الوديعة.[1]

المدائنی بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی تنازعہ لے کر (قاضی) ایاس کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو مال دیا ہے۔ دوسرے نے اس بات سے انکار کیا۔ قاضی ایاس نے پوچھا مال کہاں دیا گیا؟ مدعی نے جواب دیا کہ فلاں فلاں جگہ۔ قاضی ایاس نے پوچھا کہ اس جگہ کیا تھا؟ (یعنی اس جگہ کی کوئی علامت ہے) مدعی نے جواب دیا وہاں ایک درخت ہے تو قاضی ایاس نے کہا کہ جاؤ اس درخت کے پاس جا کر اپنا مال تلاش کرو۔ ممکن ہے جب تم وہاں پہنچو تو تمھیں یاد آجائے کہ آپ نے مال کہاں رکھا ہے۔ وہ آدمی (مدعی) چلا گیا اور قاضی ایاس نے ملزم سے کہا بیٹھ جاؤ جب تک تمھارا دوست نہ آجائے۔ اس دوران آپؒ لوگوں کے کاموں میں محو ہو گئے۔ پھر (اچانک) پاس بیٹھے ہوئے ملزم سے پوچھا کہ کیا تمھارا ساتھی اس جگہ پر پہنچ گیا جہاں مال دیا گیا تھا۔ ملزم نے کہا نہیں، اس پر قاضی ایاس نے کہا: اے اللہ کے دشمن، تو ہی خائن ہے، تو آپ نے اس سے اقرار کروایا، اور اسے قید کر دیا یہاں تک کہ اس کا ساتھی آگیا، پھر ملزم کو امانت ادا کرنے کا حکم دیا۔

---

[1] امام وكيع ،أبي بكر محمد بن خلف بن حيان بن صدقة الضبي البغدادي, الملقب بـ"وكيع" (المتوفى: 306هـ)، أخبار القضاة،الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، بشارع محمد علي بمصر لصاحبها: مصطفى محمد،الطبعة: الأولى، 1366هـ=1947م، ذكر ولاية إياس بْن معاوية بْن قرة المزني أبي واثلة البصري وأخباره وقضاياه وفطنه، ما حفظناه من قضايا إياس بْن معاوية وفقهه،1 / 342

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ملزم کو استظہار واستبراء کے لیے قید کرنے کی شرعاً اجازت موجود ہے مگر اس میں دو پہلو زیر غور ہیں اولاً الزام کی نوعیت کو دیکھنا اور ثانیاً ملزم کی ظاہر حالت کو دیکھنا ضروری ہے۔ اگر ملزم معاشرتی لحاظ سے اچھی شہرت کا حامل نہیں یا الزام سنگین نوعیت کا ہے تو ملزم کو الزام کے منکشف ہونے تک قید میں رکھا جاسکتا ہے۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ مدعی سے الزام کے حوالے سے استفسار کرے اور اگر مدعی عدالت کو مطمئن کر دے تو مزید تحقیق کے لیے ملزم کو حراست میں رکھا جاسکتا ہے۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ ملزم کو چھوڑنے پر وہ فرار ہو جائے گا تو ملزم کو قید میں رکھا جاسکتا ہے[1]۔ تاہم ملزم مشتبہ یا جرائم میں شہرت نہیں رکھتا اور نا ہی الزام سنگین نوعیت کا ہے تو ملزم کو قید نہیں کیا جائے گا۔

## حبس ملزم کی قانونی حیثیت

برصغیر میں جب انگریز کی حکومت تھی تو انھوں نے اپنے طریقہ کار کے مطابق قوانین کو وضع کیا جن کو قیام پاکستان کے بعد بعض ضروری ترامیم کے ساتھ نافذ کر دیا گیا۔ بعدازاں دستور پاکستان میں قوانین کی تشکیل کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے یہ وضاحت کی گئی کہ پاکستان کا سپریم لاء قرآن وسنہ ہوگا اور کوئی قانون بھی اس کے برعکس وضع نہیں کیا جائے گا۔ آئین پاکستان کی اسلامائزیشن نے پاکستان کے اسلامی نظریاتی ہونے کو مزید تقویت بخشی ہے اور اقتدار کی تمام تر جزئیات کو حقیقی مقتدر اعلیٰ کے حکم کے مطابق لانے اور ان پر عمل کرنے کا پابند بنایا گیا۔ جب مقتدر اعلیٰ اللہ کی ذات ہے تو ریاست پاکستان میں کتاب وسنت کا دستور رائج ہوگا اور تمام تر اقتدار کے اختیارات اسی کے دائرہ میں ہی استعمال کیے جائیں گے۔ اگر مقننہ کوئی قانون بنائے جو قرآن وسنت سے متصادم ہو تو پاکستا کے آئین کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل یا وفاقی شرعی عدالت اس کے غیر اسلامی ہونے کی سفارشات پارلیمنٹ کو بھیجے گی اور آئین کے آرٹیکل 227(1) کے مطابق وہ قانون کالعدم قرار پائے گا۔ دستور کی عبارت ملاحظہ فرمائیں

> "تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو"

آرٹیکل کے مطابق کوئی قانون خلاف شرع نہیں بن سکتا۔ جو قوانین پہلے سے تشکیل شدہ ہیں ان میں شرعی قوانین کے مطابق ترامیم بھی دستور کا تقاضا ہے۔ دستور پاکستان کے ابتدائی ابواب میں بنیادی حقوق کے تحفظ کا ذکر ہے جن میں آئین کے آرٹیکل پندرہ(15) کی رو سے ریاست کے کسی باشندے کو پاکستان کی حدود میں کسی بھی جگہ پر آزادانہ نقل وحرکت کو بنیادی

---

[1] الأحكام السلطانية للماوردي، الباب التاسع عشر: في أحكام الجرائم، 323

حقوق میں شامل کیا گیا ہے۔تاہم اگر کسی مخصوص علاقے کے حوالے سے قانونی امتناع موجود ہو تو اس کی پاسداری لازم قرار دی گئی ہے۔ذیل میں آرٹیکل (15)کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

"ہر شہری کو پاکستان میں رہنے اور مفاد عامہ کے پیش نظر قانون کے ذریعہ عائدہ کردہ کسی معقول پابندی کے تابع، پاکستان میں داخل ہونے اور اس کے ہر حصے میں آزدانہ نقل و حرکت کرنے اور اس کے کسی حصے میں سکونت اختیار کرنے اور آباد ہونے کا حق ہو گا"۔

مذکورہ آرٹیکل میں بنیادی حقوق کے تحفظ میں آزادانہ نقل حرکت اور سکونت اختیار کرنے کی مکمل آزادی دی گئی ہے سوائے اس کے کہ کسی جگہ کو بغرض مفاد عامہ کسی قانون کے ذریعے ممنوع قرار دے دیا گیا ہو۔معلوم ہوا کہ ریاستی باشندے کی قانون کے مطابق آزادانہ نقل و حرکت کو آئین تحفظ فراہم کرتا ہے۔بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے کسی شخص کی آزادی کو سلب نہیں کیا جا سکتا ہے۔البتہ اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص یا ریاستی حقوق کی پامالی کا الزام ہو تو آئین پاکستان کے آرٹیکل نو(9)اور دس(10)کے مطابق بعض بنیادی حقوق کو معطل کرتے ہوئے وضعی قانون کے مطابق کاروائی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ چناں چہ اس ضمن میں آرٹیکل نو(9)ملاحظہ فرمائیں:

"کسی شخص کو زندگی یا آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا سوائے جب کہ قانون اس کی اجازت دے"۔

درج بالا آرٹیکل میں دو بنیادی باتوں کا ذکر ہے اولاً کسی شخص کی زندگی کو محفوظ کیا گیا ہے۔پاکستان کے آئین کے مطابق کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو قتل کرے، جان سے مار دے یا کسی سے زندہ رہنے کا حق چھین لے۔یہ آرٹیکل مقتدر کو بھی اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کو آئین کے تابع استعمال کرے۔اگر کسی شخص نے ایسا عمل کیا ہے جو قانونی لحاظ سے جرم ہے اور اس کے مرتکب شخص کی زندگی کو سلب کرنے کی قانون اجازت دیتا ہے تو بھی مقتدر بغیر کسی قانونی طریقہ کار اور عدالتی احکام کے ایسا کرنے پر مجرم قرار دیا جائے گا۔آرٹیکل میں دوسری بنیادی بات میں کسی شخص کی آزادی کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ہر شخص کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ آزاد رہے۔لہذا کسی شخص کی آزادی کو بغیر کسی ٹھوس قانونی وجوہ کے سلب کرنا دستور پاکستان کی خلاف ورزی ہے۔اگر کوئی مقتدر ماورائے قانون کسی شخص کی آزادی کو سلب کرتا ہے تو پاکستان کے دستور کے مطابق وہ مجرم ہے۔آرٹیکل نو میں مذکور دو بنیادی حقوق کے تحفظ کا ذکر کرنے کے بعد قانون کو فوقیت دی گئی ہے۔کسی بھی ایسے قانون کی وضع و تشکیل عمل میں نہیں لائی جا سکتی جس میں رعایا کے بنیادی حقوق سوائے ریاستی مفاد عامہ کے ختم ہوں۔

انسان فطری طور پر گناہ کی طرف راغب ہوتا ہے اور ایسے گناہ جو کسی دوسرے کے حقوق کی پامالی کا سبب بنیں وہ جرم قرار دیے جاتے ہیں۔ایسے جرائم کے سد باب کے لیے قوانین تشکیل دینا ریاست کی اولین ذمہ داری ہے تاکہ معاشرے میں امن وامان برقرار رہے اور فسادات کی بیخ کنی ہوسکے۔لہذا دستور پاکستان کے آرٹیکل دس(10) میں بعض ناگزیر وجوہات کی بناپر بنیادی حقوق میں سے حق آزادی کو معطل کرنے کی اجازت بیان کی گئی ہے۔تاہم یہ اجازت کسی بھی مقتدر کو یہ اختیار فراہم نہیں کرتی کہ وہ اپنی مرضی سے جب چاہے اور جس طرح چاہے کسی شخص کو حراست میں لے یا قید کرلے۔اس ضمن میں آرٹیکل 10 کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

> "کسی شخص کو جسے گرفتار کیا گیا ہو، مذکورہ گرفتاری کی وجوہ سے، جس قدر جلد ہوسکے، آگاہ کیے بغیر نہ تو نظر بند رکھا جائے گا اور نہ اسے اپنی پسند کے کسی قانون پیشہ شخص سے مشورہ کرنے اوراس کے ذریعہ صفائی پیش کرنے کے حق سے محروم کیا جائے گا"۔

ہر اس شخص کو جسے گرفتار کیا گیا ہو اور نظر بند رکھا گیا ہو، مذکورہ گرفتاری سے چوبیس گھنٹہ کے اندر کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا لازمی ہوگا لیکن مذکورہ مدت میں وہ وقت شامل نہ ہوگا جو مقام گرفتاری سے قریب تین مجسٹریٹ کی عدالت تک لے جانے کے لیے درکار ہو اور ایسے کسی شخص کو کسی مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر مذکورہ مدت سے زیادہ نظر بند نہیں رکھا جائے گا۔

آئین پاکستان کے آرٹیکل (9) کے مطابق کسی شخص کی جان اور آزادی کو بغیر کسی غالب قانونی وجوہ کے سلب کرنے کی ممانعت ہے۔جب کہ آرٹیکل (10) لکھا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو بوجہ الزام گرفتار کیا گیا ہے تو جس قدر جلد ہوسکے اس کو آگاہ کریں بغیر آگاہ کیے نہ تو نظر بند کیا جاسکتا ہے اور نا ہی اسے قانونی مشاورت سے محروم کیا جاسکتا ہے۔عام طور پر جب کسی شخص پر کسی جرم کے ارتکاب کا شک کیا جاتا ہے تو اس کو حراست میں لینے کا اختیار پولیس کو حاصل ہے۔اس امر میں پولیس خود بھی اگر محسوس کرے کہ فلاں شخص مشکوک سرگرمیوں میں ملوث ہے یا وہ کسی عام شہری کی شکایت پر بھی کاروائی کرتے ہوئے کسی ملزم کو حراست میں لینے کا قانونی اختیار رکھتی ہے۔چناں چہ مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر 57 میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اگر پولیس کسی فرد سے نام پتہ وغیرہ پوچھے اور وہ بتانے سے احتراز کرے تو پولیس کو یہ اخیتار حاصل ہے کہ وہ اسے حراست میں لے سکتی ہے اور اس مقصد کے لیے 24 گھنٹے تک قید میں رکھ سکتی ہے۔

## جسمانی ریمانڈ (Physical Remand)

ریمانڈ سے مراد وہ اجازت نامہ ہوتا جو عدالت اس تھارٹی کو جاری کرتی ہے جس نے کسی ملزم سے تفتیش کرنا ہوتی ہے۔ کسی بھی قانون نافذ کرنے والی اتھارٹی کو آئین و قانون کے مطابق 24 گھنٹے سے زیادہ حراست میں رکھنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ جب کوئی تفتیش کرنے والی اتھارٹی یہ تصور کرتی ہے کہ ملزم سے مقدمے سے متعلق مزید پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے تو وہ عدالت سے رجوع کرتی ہے اور ملزم کو مزید وقت کے لیے حراست میں رکھنے کی اجازت طلب کرتی ہے۔ اس اجازت کو فزیکل ریمانڈ یعنی جسمانی ریمانڈ کہا جاتا ہے۔ یہ اجازت دفعہ نمبر 167 مجموعہ ضابطہ فوجداری کے تحت دی جاتی ہے۔ گویا کہ اس قانون کے تحت ملزم کو مزید چودہ دن تک پابند سلاسل رکھا جا سکتا ہے۔ البتہ مجسٹریٹ کی طرف سے یہ اجازت قانونی لحاظ سے کسی ملزم کو زیادہ سے زیادہ چودہ ایام کی تخصیص پر مبنی ہے یعنی چودہ دن سے زیادہ ملزم کو پولیس کی حراست میں رکھنے کو قانون قبول نہیں کرتا۔

## جوڈیشل ریمانڈ (Judicial Remand)

مجموعہ ضابطہ فوجداری کی مختلف دفعات جیسے 334،344 کے تحت جوڈیشل ریمانڈ کو بیان کیا جاتا ہے۔ جوڈیشل ریمانڈ سے مراد ہے کہ عدالت اگر ملزم سے مزید تفتیش کی ضرورت محسوس نہیں کرتی اور اس کے خیال میں جو چیز تفتیش میں اخذ کرنا تھی وہ ہو چکی ہے تو تفتیشی اتھارٹی کی حراست میں دینے کے بجائے ملزم کو جیل بھیج دیتی ہے۔ عدالت کی طرف سے ملزم کے جیل بھیجنے کے اس عمل کو جوڈیشل ریمانڈ کہتے ہیں اور اس کے بعد باقاعدہ طور پر سماعت مقدمہ شروع ہوتا ہے۔

## خلاصۃ البحث

شریعت اسلامیہ اور قانون کی مذکورہ بحث میں حبس ملزم کے جواز وعدم جواز کے دونوں پہلوذکر کیے گئے ہیں۔ پاکستان میں ملزم کی تحقیق و تفتیش کی ذمہ داری پولیس کی انوسٹیگیشن برانچ پر ہے۔ قانون میں پولیس کو دیا جانے والا اختیار جس میں ابتدائی تفتیش کے لیے ملزم کو بعض معمولی الزام کے پیش نظر قید کرنے کا اختیار شرعی عدم مطابقت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ قانون کی وضع و تشکیل شرعی تناظر میں نہ ہونا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ملزم کو قید میں رکھنے کا جواز موجود ہے مگر اس کے لیے غالب گمان اور قوی قرینہ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ محض الزام کی بنا پر تو کسی اجنبی شخص کو بھی شریعت قید کرنے کی اجازت نہیں دیتی چہ جائے کہ کسی معزز اور نمازی شخص کو بغیر کسی ٹھوس وجوہ کے قید کیا جائے۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ میں

کسی بھی ملزم کی ابتدائی مدت قید کو تین ایام جب کہ بعض ناگزیر وجوہات کی بناپر زیادہ سے زیادہ ایک ماہ بیان کیا گیا ہے [1] جس میں سماعت مقدمہ کی مدت بھی شامل ہے۔اس کے برعکس رائج قوانین میں ابتدائی مدت حبس 24 گھنٹے بیان ہوئی ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت حبس برائے تفتیش چودہ دن ہے۔لیکن اس میں یہ مدت حبس محض بغرض تفتیش ہے اور سماعت مقدمہ کتنی دیر میں مکمل ہونی ہے اس کی قانون میں کوئی مدت کا تعین بیان نہیں ہوا۔گویا کہ سماعت مقدمہ کے سلسلے میں ملزم کو غیر معینہ مدت تک بھی قید میں رکھا جاسکتا ہے۔پاکستانی قوانین میں تفتیش اور سماعت مقدمہ کی دو مختلف اداروں میں ترویج درحقیقت ملزم کی طویل قید کا باعث ہے اور یہ امر خلاف شریعت بھی دیکھائی دیتا ہے۔جیسا کہ ملزم کو پہلے تفتیش کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور بعد ازاں عدالت میں اس تفتیش کے درست اور موزوں ہونے کو زیر بحث لایا جاتا ہے جس میں تاخیر کا ہونا لازمی امر ہے۔پاکستان کے نظام عدل کا مطالعہ کرنے کے بعد جب تفتیش اور سماعت مقدمہ کی جو حقیقی پریکٹس دیکھائی دیتی ہے وہ شرعی لحاظ سے درست نہیں۔اسی وجہ سے پاکستان میں انصاف کے میسر آنے میں تاخیر یا مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی انصاف عدالتی راہداریوں میں ہی گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

ملزم کو اگر الزام کے استبراء واستظہار کے لیے اگر کسی غرض سے قید کیا جاتا ہے تو قید کرنے والا ادارہ اس جاری پریکٹس میں خود مختار اور قانون سے بالاتر نظر آتا ہے۔اگرچہ گرفتار شدہ ملزم کو چوبیس گھنٹے (24) کے اندر اندر مجسٹریٹ کے سامنے لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اور ضابطہ فوجداری پاکستان کی دفعہ نمبر 61،60 ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ قانون ملزم کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔اسی طرح تعزیرات پاکستان میں رقم ہے کہ اگر کوئی پولیس افسر کسی شخص کو باقاعدہ گرفتاری ڈالے بغیر حراست میں رکھتا ہے تو پولیس افسر کا یہ عمل تعزیرات پاکستان دفعہ نمبر 340 کے تحت "حبس بے جا" تصور کیا جائے گا جو بذات خود ایک جرم ہے [2]۔پولیس افسران پر اس دفعہ کا ذکر کیا جانا ملزم کو گرفتاری ڈالے بغیر حراست میں رکھنے کی پریکٹس کی بناپر ہے۔مگر گرفتار کرنے کے بعد کا قانونی عمل جس کو اصطلاح میں "گرفتاری ڈالنا" کہتے ہیں وہ کلیتاً پولیس افسر کے اختیار میں ہے۔اس نے جس دن گرفتار کیا ہے چاہے اس کے ہفتے بعد گرفتاری ڈال کر 24 گھنٹے کا وقت تحریر کر دے۔یہی وہ عمل ہے جس پر پاکستان کا چیف جسٹس یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ "بغیر مقدمہ کسی کو حراست میں رکھنے کا

---

[1] الأحكام السلطانية للماوردي، الباب التاسع عشر: في أحكام الجرائم ، الفصل السادس: في التعزير، 344

[2] محمد مظہر حسین، پی ایل ڈی پبلیشرز نابھہ روڈ، ص 35

کوئی جواز نہیں[1]۔ یہ بیان اس امر کی تصدیق ہے کہ پولیس ملزم کو بغیر مقدمہ درج کیے قید میں رکھتی ہے اور ملزم پر ذہنی اور جسمانی تشدد روا رکھا جاتا ہے۔ یہی وہ طرز عمل ہے جو انصاف کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے جس پر عدالتیں بھی بے بس نظر آتی ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے نظام عدل کو بالخصوص تحقیق و تفتیش کے ادارے پر مبنی قوانین کو شرعی تناظر میں نئے سرے سے تشکیل دیا جائے تاکہ وطن عزیز میں جاری عدم استحکام، لاقانونیت اور دہشت گردی کا سد باب کیا جاسکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

---

روزنامہ جنگ لاہور پاکستان: 27-فروری 2018ء، شمارہ 137، جلد نمبر 39